گوشۂ ادب رثائی

مرثیہ

دراحوال امام ثامن حضرت علیؑ رضا علیہ الصلوٰۃ والسلام

(بند-۱۷۰)

مصلح مزاج غزل، بانی مسالمہ مولانا سید محمد جعفر امیدؔ اجتہادی

(۱)

فکرِ ثنائے مشہدِ ذی احترام ہے
وصفِ ریاضِ روضۂ رضواں مقام ہے
ہر فرد سرو[۱] گلشنِ دارالسلام ہے
ایک ایک بیت قدر میں بیت الحرام ہے
خامہ کا رکن خانۂ کعبہ خطاب ہے
پانی نہیں دوات میں زمزم کا آب ہے

(۲)

لکھنا ہے بارگاہ فلک جاہ کا حشم
شاخ نہال طور قلم ہوئے یک[۲] قلم
آئے سیاہیٔ حجرالاسود حرم
قبہ کا اوج صفحۂ گردوں پہ ہو رقم
توصیف یوں ہو روضۂ مینو سرشت کی
دنیا میں لوگ دیکھ لیں صورت بہشت کی

(۳)

رفعت میں ارض پاک خراساں ہے آسماں
انجم کی طرح خاک کے ذرّے ہیں[۳] ضوفشاں
جادے نہیں[۴] زمین پہ اتری ہے کہکشاں
ہر نقش پا سے جلوۂ خورشید ہے عیاں
اک اک پہاڑ کہتا ہے میں کوہ طور ہوں
اُٹھ اُٹھ کے گرد کرتی ہے دعویٰ کہ نور ہوں

(۴)

یاں کی زمین عرش سے کہتی ہے بار بار
تیری تعلّیاں یہ سراسر[۵] ہیں بے مدار
بے وجہ یہ غرور ہے، بیجا یہ افتخار[۶]
زیبا ہے آج میرے لئے دعویٰ وقار
تیری بساط پر بھی کسی کا جلوس ہے؟
مجھ پر بنائے روضۂ سلطانِ طوس ہے

(۵)

کعبہ سے ہے یہ روضۂ پرنور کا خطاب
میرے سوا ہے کون زمانے میں لا جواب
ہوتا ہے بے مکیں کا مکاں خلق میں خراب
مجھ سے مقابلہ کی تجھے بھی نہیں ہے تاب
خالی مکاں کو دعویٰ خوبی فضول ہے
یہ خوابگاہ[۷] خاص وصیؑ رسولؐ ہے

(۶)

اللہ رے بارگاہ زہے جاہ و کر و فر
اونچا ہے یہ کلس کہ پہنچتی نہیں نظر
شمسہ کی ضو ہے گنبد گردوں شکوہ پر
یا کوہ طور سے کف موسیٰؑ ہے جلوہ گر
مخزن یہی ہے سرِّ خدا کے ظہور کا
تاباں کلس سے چھٹتا ہے فوارہ نور کا

(۱) رشک (۲) پے (۳) زر (۴) ہیں یا (۵) سراپا

(۶) بے وجہ یہ غرور یہ بیجا ہے افتخار (۷) جانِ علیؑ

(۷)

قبہ کے ارتفاع سے گردوں ہے شرمسار
مانند عرش سقفِ معلّٰی ہے نوربار
نقش و نگار پر گل فردوس ہے نثار
اک اک ستوں سے دین کے ارکاں ہیں استوار
سرحدِّ فکر و وہم[1] سے رفعت دو چند ہے
کرسی دروں کی عرش بریں سے بلند ہے

(۸)

روشن دروں کے نور سے روشن ہیں دشت ودر
قوس قزح کی شکل ہے محراب جلوہ گر
ابروئے حور کہتے ہیں کب صاحب نظر
فوق اس کے خم کو دیتے ہیں بینا ہلال پر
جھکتا ہے چرخ دیکھ کے اس احترام کو
کعبے کے طاق دور سے خم ہیں سلام کو

(۹)

آثار راستی کا ہے دیوار پر مدار
صنعت سے پختہ کاری صانع ہے آشکار
چاروں حدوں سے قابل تعریف ہے حصار
ہیں جمع اس احاطے میں طراحیاں[2] ہزار
[3]ضودے رہے ہیں روزن و دیوار نور کے
نکلی ہے آنکھ غرفہ جنت سے حور کے

(۱۰)

دیتے ہیں جانور سر دیوار یہ صدا
دیکھے یہ اوج آ کے چھپا ہے کدھر ہما
جاکر کسی جبل پہ نشیمن کیا تو کیا
[4]اقبال مند کے لئے رہنے کی ہے یہ جا
ہر صبح اٹھ کے روضۂ رضواں کی دید ہے
جواس کلس کے سائے میں[5] بیٹھے سعید ہے

(۱۱)

کیسے[6] بیان ہو در دولت کا احتشام
گویا ہے باب رحمت خلاق ذوالکرام
جھکتے ہیں آستاں پہ ملک آ کے صبح و شام
جاری جہان میں ہے اسی در سے فیض عام
رتبے میں جن و انس سے ممتاز ہوگیا
چوکھٹ پہ جو جھکا وہ سرافراز ہوگیا

(۱۲)

اندر رواق پاک کے جس کا ہوا گذر
اک قدرت خدا اسے آنے لگی نظر
سب نور کے مقام ہیں دیوار و بام و در
خیرہ نگاہ ہوتی ہے دیکھے کسے بشر
دنیا میں بڑھ کے کون جگہ اس مکاں سے ہے
ظاہر صفائے باطن مومن یہاں سے ہے

(۱۳)

ہے بیچ میں ضریح مبارک جو شبکہ دار
چھن چھن کے نور اس سے نکلتا ہے بار بار
حلقے وہ ہیں کہ حور کی آنکھیں ہیں شرمسار
کڑیوں پہ اس کی موتی کی لڑیاں ہوئیں[7] نثار
صناعیوں پہ صَلِّ علیٰ کے خروش ہیں
داؤد اس مقام پہ حلقہ بگوش ہیں

(۱۴)

صندوق میں بھرا ہوا ہے نور کبریا
تعویذ قبر کا ہے کہ قرآں کھلا ہوا
ایک ایک نقش، نقشِ سلیماں سے ہے سوا
تسخیر میں ملک ہیں، یہاں جن وانس کیا
خط ہے کہ لوح قبر پہ گویا کھدا ہے یہ
تسلیم کر مزار امام ہدا[8] ہے یہ

(۱) فہم (۲) آزادیاں (۳) ضودے رہا ہے روزنِ دیوار نور کی ☆ نکلی ہے آنکھ غرفۂ جنت سے حور کی

(۴) اقبال واحتشام کے رہنے کی ہے یہ جا (۵) سامنے (۶) کس سے (۷) بھی ہیں (۸) رضا

(۱۵)

پیش ضریح ہیں پر جبرئیل کے چنور
رکھے ہوئے ہیں رحلوں پہ قرآں اِدھر اُدھر
سلگا ہوا ہے مجمروں میں عنبر و اگر
بوئے بہشت سے بھی ہے خوشبو زیادہ تر
نکہت بھلا کہاں یہ کسی اور پھول کی
بو ہے گلاب پاش میں جسم رسولؐ کی

(۱۶)

نمگیرہ ضریح مغرق ہے سر بسر
خورشید کی کرن ہے کہ جھالر ہے جلوہ گر
تابندگی وہ ہے کہ ٹھہرتی نہیں نظر
لودے رہے ہیں ہیرے کے ترشے ہوئے گہر
ظاہر ہیں رنگ صنعت رب جلیل کے
سایہ فگن لحد پہ ہیں پر جبرئیل کے

(۱۷)

قندیلیں نقرئی ہیں جو روضہ میں جا بجا
اُن کی صفت میں چرب زبانی ہو کیا بھلا
کس رنگ کے ہیں جالیوں میں پھول واہ وا
گویا ہے ایک باغ ہوا پر کھلا ہوا
آتش سے گل کھلے ہیں یہ روشن دلیل ہے
قندیل کیا نمونۂ باغ خلیل ہے

(۱۸)

ساطع یہاں[1] کے فرش سے ہے مثل عرش نور
ایواں کی چاندنی سے تجلی ہے دور دور
شمعوں کو اپنی جلوہ فروزی پہ ہے غرور
گویا سر مزار ہے روشن چراغ طور
قدسی ہیں محو قدرت پروردگار پر
پروانہ جبرئیل ہیں شمع مزار پر

(۱۹)

دیکھے نکل کے روضہ سے گر صحن دلکشا
آئے کبھی پسند نہ فردوس کی ہوا[2]
آتی ہے مل کے روضۂ انور سے جب ہوا
چھڑکاؤ فرش خاک پہ ہوتا ہے عطر کا
کیوں کر ہوا بند ھے نہ جہاں کی شمیم پر
ہیں لخلخے کھلے ہوئے دوش نسیم پر

(۲۰)

اپنی جگہ پہ فرد ہے گلدستۂ اذاں
بلبل کی طرح جس پہ موذن ہے نغمہ خواں
سرو بہشت اس کو سمجھتی ہیں قمریاں
ہم سے گناہ گاروں کا لیکن ہے یہ گماں
یاں کام مغفرت سے ہے، بخشش پسند ہے
دست اماں نجات کی خاطر بلند ہے

(۲۱)

اب وصف آب نہر میں دُر ریز ہے زباں
اک آئینہ ہے اس کی لطافت ہو کیا بیاں
حلقے ہیں چشم حور کے گرداب سے عیاں
تسنیم و سلسبیل کا رضواں کو ہے گماں
خود نہر سیر دیکھتی ہے آب و تاب کی
ہیں زورقیں چھٹی ہوئی ہر سو حباب کی

(۲۲)

با آبرو و عین کرم، منبع صفا
شفاف و صاف، مخزن فیض و گراں بہا
پاکیزہ و لطیف و سبک، صاحب عطا
پر اس کے تیرگی کا یہ روشن سبب ہوا
طوفاں میں جو سفینۂ عالم پناہ ہے
ماتم میں اس کے پانی کی چادر سیاہ ہے

(۱)وہاں (۲)فضا

(۲۳)

فوارے حسن صنعت صانع پہ ہیں گواہ
ہے قمریوں کو سرو لب جو کا اشتباہ
گویا ہیں بہر مردم آبی یہ خضر راہ
خیرہ ہے جن کی چھوٹ سے خورشید کی نگاہ
فرط ضیا سے نور سحر کے عمود ہیں
دھاریں نہیں خطوط شعاعی نمود ہیں

(۲۴)

ہیں نہر کے قریب شگفتہ چمن چمن
صد برگ و نرگس و گل نسرین ونسترن
کس رنگ پر ہیں سنبل و ریحان و یاسمن
گلہائے اشرفی کا ہے سب سے جدا چلن
رائج جو نقد بو و لطافت کے پائے ہیں
گلشن میں اپنے نام کے سکہ بٹھائے ہیں

(۲۵)

لبریز ہیں گلوں کے مئے رنگ سے ایاغ
سب پھول اس چمن کے خوشی سے ہیں باغ باغ
نرگس کو کچھ مرض ہے نہ لالے کے دل میں داغ
پائے نہ ایسا باغ جو لے کر پھرے چراغ
مطلب ہے کچھ خزاں سے نہ کھٹکا ہے خار کا
بلبل کا آشیانہ ہے مسکن بہار[۱] کا

(۲۶)

ظاہر ہے آفتاب سے خورشید کی چمک
دریا کی ہے یہ لہر کہ سبزے کی ہے لہک
طوبی گلوں میں ہے گل فردوس کی مہک
کندن میں کب ہے جو ہے زرورد[۲] میں دمک
مٹی ہوئے ہیں رنگ گل آفتاب کے
ہیں ہر طرف کھلے ہوئے تختے گلاب کے

(۲۷)

مرغوب سبزہ زار بھی ہے، لالہ زار بھی
پھولوں میں بوئے خوش بھی ہے، رنگ بہار بھی
کیا تن رہے ہیں سرو لب جوئے بار بھی
اپنی جگہ پہ نوک کی لیتے ہیں خار بھی
تحلیل جسم ہے پہ نظر بوستاں پہ ہے
تسبیح باغبان ازل کی زباں پہ ہے

(۲۸)

جنت سے بھی یہاں ہے نظارت زیادہ تر
سرسبز برگ برگ ہے خرم شجر شجر
ہیں محو بوستاں کی حکایت میں جانور
تیار بحث پر ہیں عنادل اِدھر اُدھر
نغموں سے ان کے وجد میں کچھ ایسے آئے ہیں
ہر گل نے اپنے کان اُدھر کو لگائے ہیں

(۲۹)

چھائے ہوئے ہیں نہر پہ اشجار میوہ دار
اک اک روش پہ فرش مشجر کی ہے بہار
تحریک سے ہوا کی جو جھکتے ہیں بار بار
پانی میں ڈوب جاتے ہیں اثمار خوشگوار
ایما یہ ہے کہ خلد کے بوئے ہوئے ہیں ہم[۳]
تسنیم وسلسبیل سے دھوئے ہوئے ہیں ہم[۴]

(۳۰)

سدرہ کا ارتفاع درختوں سے ہے عیاں
طوبا کا شاخ شاخ پہ رضواں کو ہے گماں
ہر اک شجر ہے مہبط انوار حق یہاں
بیجا نہال طور کی ہیں لن ترانیاں
پیدا جو اس زمین سے ہے لا جواب ہے
سبزہ نہیں یہ خضر طریق ثواب ہے

(۱)ہزار (۲)زرپود (۳)یہ (۴)یہ

(۳۱)

نخل بھی و سیب و رطب سب ہیں بار دار
بادام پر ہے دیدۂ محبوب کی بہار
دیکھے سے جن کے ہوتی ہے فرحت وہ ہیں انار
نازک ہے ایسا پوست کہ دانے ہیں آشکار
کیا طرفہ ذائقہ بھی پھلوں میں سما گیا
دیکھا جو آنکھ اٹھا کے مزا منھ میں آ گیا

(۳۲)

انگور تر ٹپکتے[1] ہیں تاکوں سے متصل
خوشبو سے ان کی عقد ثریا بھی ہے خجل
مائل نہ کس طرح ہو نزاکت پہ ان کی دل
باد صبا کے چلنے سے ہوتے ہیں مضمحل
ہیں جھوم کر بلند کبھی، گاہ پست ہیں
انگور خود شراب تولا سے مست ہیں

(۳۳)

منظور تھا کہ ہو ابھی وصف گل و ثمر
انگور کے بیاں سے مگر شق ہوا جگر
یہ ذکر سم کی طرح ہوا دل پہ کارگر
یاد آگئی شہادت سلطان بحر و بر
صدمہ ہوا تھا روح رسالت مآب کو
افسوس اس میں زہر دیا تھا جناب کو

(۳۴)

یہ حال یوں کتب میں بہ تفصیل ہے رقم
مالک ہوا جو تخت کا مامون بد شیم
سکہ کی طرح خلق میں رائج ہوا ستم
اجلاف کو خوشی ہوئی، اشراف کو الم
مرگ پدر سے خاک تھا کناسیوں[2] کا دور
تازہ کیا سپہر نے عباسیوں کا دور

(۳۵)

خلق اس کے عہد میں جور ہے امن سے معاف
اس کی سیاہ بختی[3] سے روشن ہوا یہ صاف
کافور نام رکھتے ہیں زنگی کا[4] برخلاف
شیطان سے دو چند تھا ناری میں کبر ولاف
شہرت ہوئی جہان میں اس بوالفضول کی
ہر شہر کے رئیس نے بیعت قبول کی

(۳۶)

برپا ہوا حجاز و یمن میں مگر فساد
سادات اس شقی سے رہے برسر عناد
بیعت کو ایک جالی[5] بر آئی نہ یہ مراد
دونوں جگہ کے لوگ ہوئے عازم جہاد
دن رات اس کو فکر تھی رنج عظیم تھا
دل غازیوں کی تیغ کے ڈر سے دو نیم تھا

(۳۷)

شوریٰ کے بعد رائے کا اس پر ہوا قرار
آئیں اگر امام زماں[6] آسماں وقار
سب ملک کے سپرد کئے جائیں کاروبار
سادات جانتے ہیں انہیں فخر روزگار
دل مطمئن ہو[7] خاطر ناشاد شاد ہو
فتنہ کسی طرح کا نہ کوئی فساد ہو

(۳۸)

آخر گئے پیام طلب لے کے اہل شر
اس امر پر مصر ہوئے حد سے زیادہ تر
گھر میں بھی رہنے پائیں نہ سلطان بحر و بر
مجبور ہو کے آپ ہوئے عازم سفر
اہل وطن کے طالع بیدار سو گئے
سامان پھر تباہیٔ یثرب کے ہو گئے

---

(۱) لٹکتے ہیں شاخوں میں (۲) بنّاسیوں (۳) پوشی (۴) کے (۵) جاسے (۶) رضاؑ (۷) ہوں

(۳۹)

پہنچی خبر سفر کی مدینہ میں جا بجا
سننا تھا یہ کہ شہر میں اک تہلکہ پڑا
آرام درد سے کسی پہلو نہ دل کو تھا
احباب سب ہوئے غم فرقت میں مبتلا
تا آسماں بلند صدائے بکا ہوئی
شیعوں کے گھر میں ایک قیامت بپا ہوئی

(۴۰)

[1]تیر الم دلوں میں جگر میں سنان غم
تھا یہ سفر نہ کچھ سفر کربلا سے کم
روتے تھے مرد، پیٹتی تھیں عورتیں بہم
غل تھا کہ ہائے جاتے ہیں شاہنشۂ امم
بنتی ہے کچھ کسی سے جو قسمت بگڑتی ہے
افسوس پھر مدینہ کی بستی اُجڑتی ہے

(۴۱)

ویراں ہے شہر کوچہ و بازار ہیں اداس
دل پر دکانداروں کے چھائی ہوئی ہے یاس
[2]سب دورنوع عیش سے ہیں جنس غم ہے پاس
برہم معاملے ہیں ٹھکانے نہیں حواس
سنگ الم ہے سینہ پہ جوش و خروش ہے
بیع و شرا ہو خاک کہ سودے کا جوش ہے

(۴۲)

ہیں اس طرف سفر کے تردّد میں خود امام
خدام جان و دل سے ہیں مصروف اہتمام
رخصت کو لوگ حاضر دربار ہیں تمام
گریاں مفارقت کے الم سے[3] ہیں خاص و عام
روتے ہیں سب صدائے فغاں دور جاتی ہے
ماتم کی اہلبیتؑ کے آواز آتی ہے

(۴۳)

آ آ کے عرض کرتے ہیں خدمت میں دوستدار
واللہ دل ہیں ہجر کے صدمے سے بے قرار
ہر اک کو اس قدم کی جدائی ہے ناگوار
مفقود اب ہے صورت تسکین جان زار
وہ رنج ہیں دلوں پہ کہ خادم ہلاک ہیں
تیغ مفارقت سے جگر چاک چاک ہیں

(۴۴)

ارشاد یہ تو کیجئے یا شاہ بحر و بر
کتنے دنوں میں قصد پھر آنے کا ہے ادھر
احباب سے یہ کہتے ہیں حضرت بچشم تر
گذرے گی جو وہاں تمہیں پہنچے گی[4] سب خبر
چھٹنا ہمیں بھی تم سے بہت ناگوار ہے
پر کیا کریں کہ جبر میں کیا[5] اختیار ہے

(۴۵)

چھٹتا ہے ہم سے روضۂ محبوب ذوالجلال
سوہانِ جان زار ہے اس امر کا ملال
مدنظر نہیں مجھے ہمراہئ عیال
ان کی مفارقت کا بھی ہے رنج و غم کمال
صدمے ہزار طرح کے ہیں جان زار پر
چلتے ہیں پر مشیت پروردگار پر

(۴۶)

فرما کے یہ محل میں گئے سید[6] امم
دیکھا کہ اہلبیتؑ میں برپا ہے بزم غم
فرقت میں شہ کی روتی ہیں سیدانیاں بہم
بیتاب مثل ماہئ بے آب ہیں حرم
وابستگان رشتۂ الفت ہلاک ہیں
دامن ہیں تار تار گریبان چاک ہیں

---

(۱) تیر الم جگر میں، دلوں پہ سنان غم (۲) سب دور نوع عیش ہیں پر جنس غم ہے پاس (۳) میں

(۴) ہوئے (۵) کچھ (۶) سرورؑ

(۴۷)

موزوں کا ہے خیال نہ کچھ چادروں کا ہوش
مقنعے ہیں تار اشکوں کی رقت کا ہے یہ جوش
برپا کسی کی آہ کا ہے تا فلک خروش
تصویر کی طرح کوئی حیرت میں ہے خموش
سب بے حواس ہیں تن و جاں کی خبر نہیں
گویا کہ اک مرقع ماتم ہے گھر نہیں

(۴۸)

یوں تو سب اہلبیتؑ پریشان ہیں کمال
حضرت کی ہے بہن کا مگر کچھ عجیب حال
سن سن کے حال کوچ ہوئی جاتی ہیں نڈھال
گویا بدن سے روح کا ہوتا ہے انتقال
صدمہ یہ ہے کہ منھ سے نہیں بول سکتی ہیں
زینب کی طرح یاس سے بھائی کو تکتی ہیں

(۴۹)

آکر قریب کہتے ہیں شاہنشہؑ زمن
للہ کچھ کہو تو یہ کیا حال ہے بہن
چہرے کا رنگ فق ہے لرزتا ہے سب بدن
طاری یہ ضعف ہے کہ نہیں طاقت سخن
شور فغاں[۱] پسند نہیں کردگار کو
سمجھاؤ کچھ تو اپنے دلِ بے قرار کو

(۵۰)

کھولے ہیں سر کے بال پریشاں ہوا اس قدر
دنیا میں کیا بہن کوئی کرتا نہیں سفر
اکثر نکل کے گھر سے پھر آتے بھی ہیں بشر[۲]
آئیں گے اب نہ ہم تمہیں کیونکر ہوئی خبر
امید ہے تسلی خاطر کے واسطے
ہوتا نہیں یہ حال مسافر کے واسطے

(۱) شور وفغاں (۲) سب آتے ہیں اپنے گھر

(۵۱)

دراصل ہے یہ دار فنا خانۂ محن
پابند غم ہیں تابع مرضئ ذوالمنن
صبر و رضا تمہارے گھرانے کا ہے چلن
سختی میں شکر اجر کا موجب ہے اے بہن
بندوں کو صبر گھر کی تباہی میں چاہئے
حرف رضا قضائے[۳] الٰہی میں چاہئے

(۵۲)

ہمنام فاطمہؑ ہو مناسب ہے تم کو صبر
تھا اختیار کیا جو[۴] اٹھانا پڑا یہ جبر
برساؤ مینھہ نہ اشک کا روؤ نہ مثل ابر
جو آئے ہیں جہاں میں وہ جائیں گے سوئے قبر
گھٹتی[۵] نہیں یہ راہ عزیزوں کے ساتھ سے
ڈگنا قدم کا اجر کا دینا ہے ہاتھ سے

(۵۳)

صبر و رضائے حضرت زینبؑ ہے یادگار
کس طرح جان و دل سے برادر پہ تھیں نثار
در پے ہوا جفا کا جو یہ چرخ کجمدار
آخر گلے پہ بھائی کے دیکھی چھری کی دھار
کانپا فلک زمین کا طبقہ اُلٹ گیا
زینبؑ کے سامنے سر شبیرؑ کٹ گیا

(۵۴)

جس دم تھے زیر خنجر قاتل امامؑ دیں
عصمت سرا سے نکلی تھیں گو زینبؑ حزیں
پر آہ بھی زبانِ مبارک سے کی نہیں
ہاتھوں سے دل سنبھال کے خیمہ میں پھر گئیں
اشکوں کے ساتھ کٹ کے کلیجہ نکل پڑا
جوہر میں پر نہ صبر کے مطلق خلل پڑا

(۳) رضائے (۴) کیا اختیار تھا کہ (۵) کٹتی

(۵۵)

ایسوں نے جبر اٹھائے ہیں ان آفتوں میں جب
پھر میرے ہجر کا تو کچھ ایسا نہیں تعب
حاکم کے گھر بشوق ہوئی ہے مری طلب
چندے اگر بہ لطف بسر ہو تو کیا عجب
ہوگا جو بعد اس کے کسی کو خبر نہیں
لیکن ابھی تو کچھ بھی مقام خطر نہیں

(۵۶)

سن سن کے یہ کلام شہنشاہ دیں پناہ
کرتی ہیں (۱) عرض بھائی سے اپنے بہ اشک و آہ
ارشاد یہ درست ہے اے حجت الٰہ
لیکن نہیں ہے قلب پہ قابو خدا گواہ
میں تابع رضائے شہ ذی وقار ہوں
واقف مگر خدا ہے کہ بے اختیار ہوں

(۵۷)

خود جی میں اپنے کہتی ہوں میں یا شہؑ انام
کیا اس قدر سفر میں تردد کا ہے مقام
چاہا اگر خدا نے تو پھر آئیں گے امامؑ
دل مانتا نہیں مگر اس طرح کے کلام
رہ رہ کے ہول اٹھتے ہیں کچھ غیر حال ہے
میں کیا کہوں زباں سے جو دل کو خیال (۲) ہے

(۵۸)

جاری ہیں آپ کی بھی زباں پر کلام یاس
بھیا! بتایئے مجھے کیوں کر نہ ہو ہراس
اس زار و ناتواں کو نہیں ہے کسی کی آس
جب آپ بھی چلے تو رہا کون میرے پاس
حضرت چھٹے تو قبر ہے بہتر مکان سے
ہے اس سفر میں کوچ ہمارا جہان سے

(۵۹)

اور حالِ صبر حضرت زینبؑ کا ذکر کیا
کیسی مصیبتوں میں رہیں تابعِ خدا
بیٹوں کے سر جدا ہوئے منہ سے نہ کچھ کہا
لاشے جو آئے رن سے تو سجدے کئے ادا
یہ سب تھا پر نہ اُٹھ سکے صدمے جدائی کے
ہر حال میں وہ ساتھ رہیں اپنے بھائی کے

(۶۰)

منظور بس مجھے بھی ہے ہمراہیٔ امام
تنہا نہ چھوڑیئے مجھے یا سرور انام
جس گھر میں ہوں نہ آپ پھر اس گھر (۳) سے کیا ہے کام
گھٹ گھٹ کے اس مکان میں ہو جاؤں گی تمام
موت آئے گی فراق شہ دیں پناہ میں
پہنچے گی آپ کو خبر مرگ راہ میں

(۶۱)

شہؑ نے کہا کہ منہ سے نکالو نہ یہ سخن
اس غم میں صبر دے تمہیں خلاق ذوالمنن
چاہے جو وہ تو سہل ہے ہر صدمہ و محن
کٹ جائیں گے یہ دن بھی نہ گھبراؤ اے بہن
بیتاب اس قدر نہ ہو میری جدائی سے
تم تو بہن ملوگی بہت جلد بھائی سے

(۶۲)

نکلے گی کوئی شکل، مسبب ہے ذوالجلال
بیکار چند روز کی فرقت کا ہے خیال (۴)
باقی (۵) نہیں رہے گا، زمانے کو ہے زوال
لکھنا ہمیں خطوں میں مفصل تم اپنا حال
دن رات انتظار میں آنے کے رہتے ہیں
مکتوب کو ہی نصف ملاقات کہتے ہیں

---

(۱) تھیں (۲) ملال (۳) مجھے واں (۴) ملال (۵) یعنی

(۶۳)

لو الوداع جاتے ہیں آؤ گلے ملو
جانے دو اب نہ اشک بہاؤ گلے ملو
گوشہ(۱) ردا کا منہ سے ہٹاؤ گلے ملو
ہوتی ہے دیر ہاتھ بڑھاؤ گلے ملو
بیتاب سب کے غم سے دل ناصبور ہے
روضہ پہ مصطفیٰؐ کے بھی جانا ضرور ہے

(۶۴)

کہتے تھے یہ کہ جانب دختر گئی نگاہ
کمسن ابھی ہے مثل سکینہؑ وہ رشک ماہ
بیتاب درد دل سے ہوئے شاہ دیں پناہ
دو تین بار منہ سے کہا آہ آہ آہ
اولاد کے فراق میں کیا دل کو کل پڑے
روکا بہت پر آنکھوں سے آنسو نکل پڑے

(۶۵)

مجبور ہوگئے دلِ ناشاد کام سے
آنسو نہ تھم سکے شہؑ عالی مقام سے
معصوم بھی ڈری تھی بچھڑنے کے نام سے
باہیں گلے میں ڈال کے لپٹی امام سے
تھے دونوں ہاتھ دوسرے شانے پہ آپ کے
روتی تھی منہ دھرے ہوئے کاندھے پہ باپ کے

(۶۶)

بہلا کے اس کو گود سے جب لے گئے حرم
رخصت ہوئے ہر ایک سے پھر سید امم
فرزند کو قریب بلایا بچشم نم
فرمایا آؤ مل لو کہ وقفہ بہت ہے کم
جتنے قریب ہیں وہ مسافر سے سب ملیں
بچھڑے ہوئے عزیز خدا جانے کب ملیں

(۶۷)

رویا یہ کہہ کے لخت دل سید عرب
انجام کے خیال سے دل پر ہوا تعب
دینار دس ہزار سے زائد کئے طلب
حصوں سے کامیاب ہوئے اہلبیتؑ سب
تھا حسب قدر لطف و کرم سب کے حال پر
تقسیم سیم و زر ہوا اہل و عیال پر

(۶۸)

گھر سے وداع ہو کے جو نکلے شہ انام
اک غل ہوا محل سے برآمد ہوئے امام
تھے انتظار میں در دولت پہ خاص و عام
بڑھ کر مصافحہ سے مشرف ہوئے تمام
چومے ادب سے دست مبارک حضور کے
پروانہ وار گرد پھرے شمع نور کے

(۶۹)

روضہ پہ مصطفیٰؐ کے چلے قبلہ امم
راہی ہوئے جلو میں سب اصحاب ذی حشم
بالیدہ اپنے اوج پہ کیا کیا ہوا حرم
محراب دور سے ہوئی بہر سلام خم
آمد کے غل نے شور قیامت بپا کیا
ہر ایک در نے شوق میں آغوش وا کیا

(۷۰)

جب داخل رواق پیمبرؐ ہوئے امام
پہلے پڑھی زیارت سلطان خاص و عام
بعد طواف آپ بڑھے بہر استلام(۲)
بوسے دیئے(۳) ضریح نبیؐ پر(۴) باحترام
سنبھلا گیا نہ پھر دل و جان بتولؑ سے
روئے لپٹ کے خوب ضریح(۵) رسولؐ سے

---

(۱) کونا (۲) پھر کیا سلام (۳) لئے (۴) کے (۵) مزار

(۷۱)

کی عرض قبر پاک نبیؐ سے بچشم نم
واقف ہیں آپ دل پہ جو ہے صدمہ و الم
اس قبر کا فراق ہے میرے لئے ستم
درپیش ہے سفر [۱] مگر اٹھتے نہیں قدم
کس طور سے ہو صبر دل ناصبور سے
جی چاہتا نہیں کہ جدا ہوں حضور سے

(۷۲)

کیوں کر نہ مثل ماہیٔ بے آب ہوں تپاں
افسوس اب یہ قبر کہاں اور میں کہاں
کیا ظالموں کے ظلم وتعدی کا ہو بیاں
پائی نہ میں نے آپ کے روضہ میں بھی اماں
غربت میں لطف کیا ہے لحد گر کہیں ملے
جور فلک سے یاں کی نہ دو گز زمیں ملے

(۷۳)

پائین پا رہا نہ یہ مضطر ہزار حیف
قرب آپ کا ہوا نہ میسر ہزار حیف
چھٹتا ہے یہ مزار منور ہزار حیف
لے کر چلا وطن سے مقدر ہزار حیف
تڑپوں گا جب پڑھوں گا زیارت میں دور سے
افسوس ظالموں نے چھڑایا حضور سے

(۷۴)

خادم غریب خانہ میں کس طرح امن پائے
تقدیر چاہتی ہے کہ غربت میں موت آئے
بنتی نہیں ہے اب کوئی صورت بغیر جائے
چھوٹی یہ قبر پاک مجاور سے ہائے ہائے
کھاؤں گا غم سفر کا، الم دل پہ شاق ہے
زاد مسافرت زرِ داغ فراق ہے

(۷۵)

آیا ہے بارگاہ میں رخصت کو جاں نثار
در پے ہے اب فراق کا یہ چرخ کج مدار
راحت کے دن گذر گئے برہم ہے روزگار
باقی نہیں ہے اب کوئی امید زینہار
کس طرح صبر ہو دل پر اضطراب سے
خادم کی ہے یہ آخری رخصت جناب سے

(۷۶)

لے اے مزار احمد مختارؐ الوادع
اے قبر پاک سید ابرارؐ الوداع
جاتے ہیں، اب ضریح ضیا بارؐ الوداع
اے بام و سقف اے در و دیوار الوداع
غربت میں روح چین نہ اک آن پائے گی
ہر ایک شے یہاں کی ہمیں یاد آئے گی

(۷۷)

یہ کہہ کے بے قرار ہوئے شاہ ذی وقار
پھر قبر سے لپٹ گئے با چشم اشک بار
سہرا ضریح پاک کا تھا آنسوؤں کا تار
چادر چڑھا رہے تھے دُر اشک آب دار
اشکوں سے تر تھی قبر، رسالتؐ پناہ کی
ہر بار تھی بلند صدا آہ آہ کی

(۷۸)

تسکین دے کے دل کو جو باہر چلے جناب
بس صحن میں پہنچ کے رہی قلب کو نہ تاب
پھر روضۂ شریف میں داخل ہوئے جناب [۲]
ظاہر ہر ایک بات سے ہوتا تھا اضطراب
[۳] مضموں حدیث کا ہے کہ تھے بے قرار آپ
رخصت اسی طرح سے ہوئے چند بار آپ

(۱) نہیں اٹھتے مگر (۲) شتاب (۳) مضمون ہے حدیث کا، تھے بے قرار آپ

(۷۹)

آخر چلے مزار نبیؐ سے بچشمِ نم
آنکھیں ملائکہ نے بچھائیں قدم قدم
گھوڑے پہ جب سوار ہوئے قبلہ امم
ساتوں فلک سلام کو خم ہوگئے بہم
چھٹکا جو نور روئے ثریا جناب[۱] کا
ذروں کی ضو سے پھر گیا رخ آفتاب کا

(۸۰)

آگے بڑھا جلوس سواری ہوئی رواں
جادوں[۲] کی ضو سے چھپ گئی گردوں پہ کہکشاں
دعویٰ کیا زمیں نے کہ اب میں ہوں آسماں
شمس و قمر ہیں چرخ پہ ایسے قدم کہاں
اس خاک پا سے آج مجھے اکتساب ہے
ذرہ جو میری خاک کا ہے آفتاب کا

(۸۱)

اللہ رے سواریٔ مولا کا احترام
اقبال پیش رو ہے جلودار احتشام
جاہ و جلال آپ ہیں مصروف اہتمام
شوکت کے ہاتھ میں ہے رکاب شہؑ انام
کیا پُر جگر جوان ہیں نیچے نشان کے
سرہنگ دبدبہ سے دبے ہیں جہان کے

(۸۲)

ارواح انبیاؑ کی صفیں ہیں اِدھر اُدھر
ہمراہ قدسیوں کے پرے ہیں کشادہ پر[۳]
کروبیان عرش دکھاتے ہیں کر و فر
میکال و جبرئیل کے ہاتھوں میں ہیں چنور
ہے ترقو[۴] کا شور کبھی گہہ درود کا
سر پر ہے چتر سایۂ رب ودود کا

(۸۳)

ہے بانگ دور باش سے یہ رعب کا وفور
اصحاب خاص پاس ادب سے ہیں دور دور
ملتے ہیں دل یہ سطوت مولا کا ہے ظہور
بے اذن ایک کو بھی نہیں طاقت حضور
آوازِ رعد حکم شہنشاہ دیں کا ہے
کیسی زمیں فلک پہ بھی ڈنکا انہیں کا ہے

(۸۴)

دیتے ہیں بار بار یہ آواز خیرخواہ
تابندہ باد نیرِ اقبالِ بادشاہ
آباد یہ سپاہ، سلامت جہاں پناہ
حضرت کے دوست شاد، عدو آپ کے تباہ
افزود خلق پر ہو کرم بادشاہ کا
سایہ رہے ہر ایک پہ ظل الٰہ کا

(۸۵)

اللہ رے فیض مقدم[۵] نوبادۂ رسولؐ
یُمنِ قدم سے بن گئے جنگل کے خار پھول
سرسبزیاں زمین کے طالع کو ہیں حصول
تھا چرخ اخضری یہ شرف دیکھ کر ملول
مطبوع خضر رنگ تھے اس ارض پاک کے
گردوں بھی زہر کھائے تھا سبزے پہ خاک کے

(۸۶)

اعجاز نخل طور تھا ہر نخل سے نمود
جاری زبان برگ پہ ہر بار تھا درود
غل طائروں میں تھا کہ زہے رحمت ودود
آج اس زمیں پہ فخر سلیماںؑ کا ہے ورود
آمد کے تذکرے سے دلوں کو نشاط تھا
ہر داستاں میں لطف حدیث بساط تھا

(۱) آب (۲) جادے (۳) تر (۴) طرقوا (۵) مخدم

(۸۷)

ہر بار شاخ گل پہ چہکتی تھی عندلیب
نغمے یہ تھے کہ باد بہاری ہے اب قریب
ہے سرو باغ دیں کی زیارت زہے نصیب
مژدہ یہ بہر نرگس بیمار ہے طبیب
کیوں کر مریض ہجر نہ ہوں انتظار میں
خاک شفا کا صاف اثر ہے غبار میں

(۸۸)

رستے میں نور وادیٔ ایمن تھا جلوہ گر
تھا رشک نخل طور ہر اک راہ کا شجر
داغی جو برگ تھے وہ بنے غیرت قمر
آئینے رہگذر میں ہوئے نصب ادھر ادھر
فرط ضیا کو دیکھ کے خورشید دنگ تھا
اک اک شجر پہ سرو چراغاں کا ڈھنگ[۱] تھا

(۸۹)

مٹھی میں گل لئے ہوئے تھے زر پئے نثار
غنچے بھی ہنس رہے تھے کہ ہے آمد بہار
کحل بصر جو باد بہاری کا تھا غبار
نرگس کو تھا ورودِ سواری کا انتظار
استادہ ہر نہال تھا تعظیم کے لئے
شاخوں نے سر جھکائے تھے تسلیم کے لئے

(۹۰)

یوں تھا سواد فوج میں لخت دل بتولؑ
جاتے تھے جس طرح شب معراج میں رسولؐ
شبدیز کو براق کا تھا مرتبہ حصول
یاں اور خوش خراموں کے دعوے ہیں نا قبول
صدقے ہے دل بھی[۲] کبک کا ایک ایک گام پر
پریوں کی جان جاتی ہے[۳] طرز خرام پر

(۹۱)

ہر ایک سم ہے بدر ہر اک نعل ہے ہلال
آغوش ماہ نو میں قمر ہے زہے کمال
کیلوں کی اختروں سے کچھ اعلا نہیں مثال
مہر مبیں کو نقش قدم سے ہے انفعال
کم ہے عروج ماہ کا اس ارتفاع پر
کیلوں کی ضو گواہ ہے تحت الشعاع پر

(۹۲)

شل اس فرس کے سامنے ہیں آہوئے تتار
اک اک قدم پہ ہوتے ہیں پریوں کے دل نثار
ہیں اپنے پاؤں دیکھ کے طاؤس شرمسار
چلنے میں کبک ٹھوکریں کھاتے ہیں بار بار
پائے گا کوئی کیا فرس تیزپا کا دم
اُکھڑے گا ساتھ چلنے میں اس کے ہوا کا دم

(۹۳)

ہے نام ابر، برق بھی ایک اس کا اسم ہے
جس کا کوئی قسیم نہیں یہ وہ قسم ہے
تیزی بھری ہے آگ کا ہر عضو جسم ہے
ہے یہ رگوں کا جال کہ بند طلسم ہے
کس طرح آئے صنعت حکمت[۴] قیاس میں
لے آئی ہے ہوا کو فرس کے لباس میں

(۹۴)

نازک مزاج بھی ہے یہ اور بردبار بھی
سیماب بے قرار بھی کوہ وقار بھی
خود بھی ہرن ہے ضیغم آہو شکار بھی
بادِ سموم بھی ہے نسیم بہار بھی
ہے اس کی مدح سے یہ روانی زبان میں
چلتا ہے ذکر، چال[۵] کا اب تک جہان میں

(۱) رنگ (۲) ہوتا تھا خون (۳) تھی (۴) حکمت صنعت (۵) حال

(۹۵)

ہو سرعتِ سمند صبادم اگر رقم
ٹھہرے نہ پھر ورق پہ کہیں ادہم قلم
بندش کا ذکر کیا ہے[۱] کہ لفظیں نہ ہوں[۲] بہم
کاغذ رہے سفید اُڑیں حرف دم بدم[۳]
صرصر سے تیز خامہ سرعت نگار ہو
جس خط میں ہو یہ حال وہ خط غبار ہو

(۹۶)

لے کر فرس کا نام جو کوئی کرے سفر
راہی ہو یوں کہ پاؤں نہ رکھے زمین پر
منزل پہ مثل اشک پہنچ جائے وہ بشر
ادنیٰ سا ہے یہ سرعت شبدیز کا اثر
بے چین ہو ہوا بھی جو لگ جائے زین میں
ہو گرم رو تو آگ لگ اُٹھے زمین میں

(۹۷)

شائستگی میں نرم روی میں ہے لاجواب
تھم کر چلے تو باد بہاری کو ہو حجاب
زیر قدم ہے[۴] سبزۂ خوابیدہ محو خواب
لپٹے ہوئے سموں سے ہیں سب ہمرہ رکاب
دل باغ باغ ہیں یہ[۵] سواری کی چال ہے
ساری نسیم صبح بہاری کی چال ہے

(۹۸)

جاتے ہیں اس جلال و حشم سے شہ انام
ہے ساتھ جاہ و کوکبہ و شوکت تمام
جس ملک کی زمین پہ فرماتے ہیں مقام[۶]
برپا وہیں پہ ہوتے ہیں بیچوبہ و خیام[۷]
قدسی طواف کرنے کو گردوں سے آتے تھے
جبریل فرش اپنے پروں کا بچھاتے تھے

(۱)ہو(۲)نہیں(۳)یکقلم(۴)ہو(۵)وہ(۶)قیام(۷)بیچوبہ خیام

(۹۹)

ہوتا تھا صدر میں تو بپا خیمہ حضور
اور دور میں خیام رفیقان ذی شعور
پاس ادب سے لوگ اترتے تھے دور دور
ہوتا تھا رنگ رنگ کے خیموں سے کیا ظہور
آگے قدم وہاں سے نہ رہرو بڑھاتا تھا
ہر ایک لطف، شہر کا جنگل میں پاتا تھا

(۱۰۰)

اس نور کبریا کا جہاں پر ہوا مقام
منزل وہ رشک وادیٔ ایمن بنی تمام
جس ملک کی زمیں پہ ہوئے آپ کے خیام
وہ فرش مرتبہ میں ہوا عرش احتشام
دی منزلت جو خیمۂ رفعت نشان نے
بوسے زمیں کے جھک کے لئے آسمان نے

(۱۰۱)

اللہ ری شان خیمہ سلطان دیں پناہ
اس پردے میں تھی جلوہ فگن رحمت الٰہ
کس طرح محو بوقلمونی نہ ہو نگاہ
غل تھا طلسم قدرت حق ہے یہ بارگاہ
شہپال قدسیان فلک اس کا فرش ہے
چوٹی کلس کی طرۂ دستار عرش ہے[۸]

(۱۰۲)

رتبہ میں اس سے پست ہیں فردوس کے قصور
عرش، آسماں زمین سمجھتی ہے کوہ طور
کوتاہ ہر طناب سے زلف دراز حور
ہر ایک چوب میں ہے عمود سحر کا نور
تا آسماں ضیائے کلس کا صعود ہے
طور کلیم سے ید بیضا نمود ہے

(۸)چوٹی کلس کی طرح سے

(۱۰۳)

شمسہ کا سر پہ خیمہ کے رکھا گیا جو تاج
بیچوبۂ فلک نے بھی دب کر دیا خراج
ایما یہ تھا کہ دور ہے دنیا میں میرا آج
احکام کا قنات کے شقوں سے ہے رواج
ہے کون مدعی یہ شرف کس نے پائے ہیں
چوبوں نے بے مثالی کے ڈنکے بجائے ہیں

(۱۰۴)

آتے تھے جب قریب کسی ملک کے امام
نذریں لئے نکلتے تھے ہر گھر سے خاص و عام
ہوتا تھا دعوتوں کا رئیسوں میں اہتمام
ہوں باریاب، تھے اسی امید میں تمام
باشندگان شہر زیارت کو جاتے تھے
سردار پیشوائی کو حضرت کی آتے تھے

(۱۰۵)

آتے تھے روز و شب در دولت پہ نامدار[1]
ہوتے تھے کشتیوں میں ہدایائے[2] بے شمار
نذروں کے ساتھ تھے طبق زر پئے نثار
کُل سرکشان دہر سراپا تھے انکسار
آنکھوں سے سر سے خدمت عالی میں آتے تھے
تحفے سب اُس دیار کے حضرت میں لاتے تھے

(۱۰۶)

ہوتے تھے خدمت شہ دیں میں جو باریاب
پاتے تھے حسن خلق[3] رسولؐ فلک مآب
پیش آتے تھے نوازش و اکرام سے جناب
مسرور و شاد پھرتے تھے خدمت سے شیخ و شاب
موقوف تھا غریب پہ نے اہل مال پر
تھا حسب قدر، لطف و کرم سب کے حال پر

(۱۰۷)

ہر ایک خاص[4] و عام جو ہوتا تھا بہرہ ور
تھی ذرے ذرے پر نظر کیمیا اثر
جو خوش عقیدہ سر کو جھکاتا تھا پاؤں پر
ملتے تھے اس سے اٹھ کے امام فلک[5] سیر
ہر ایک سے خطاب ہر اک سے کلام تھا
ہنس کر جواب دیتے تھے کیا خلق[6] عام تھا

(۱۰۸)

آ آ کے پوچھتے تھے مسائل جو شیخ و شاب
تسکین دل کو ہوتی تھی ملتا تھا وہ جواب
خلق خدا تھی ذات معلیٰ سے کامیاب
جاری تھا بحر فیض امام فلک جناب
ہر وقت میں خیالِ رفاہِ انام تھا
ہادی کو راہ میں بھی ہدایت سے کام تھا

(۱۰۹)

جو لوگ حاضرین سے تھے اہل اتقا
اکرام ان کے حال پہ اوروں سے تھا سوا
باتیں انہیں سے کرتے تھے سلطان دوسرا
دل کی طرح سے دیتے تھے پہلو میں اپنی جا
مطلب ہر اک روا تھا مرادیں حصول تھیں
نذریں بھی دعوتیں بھی انہیں کی قبول تھیں

(۱۱۰)

تھے سالکِ طریق اسی طور سے امام
ہوتی تھیں اس سفر میں یونہی منزلیں تمام
اک روز ایک جا پہ جو پہنچے شہ انام[7]
دامن میں اک پہاڑ کے اس دن ہوا مقام
وہ کوہ ہم ترازوئے کوہ رقیم تھا
اک عابد خجستہ سیر واں مقیم تھا

(۱) تاجدار (۲) تحائف (۳) حسن و خلق (۴) خلق (۵) ملک (۶) فیض (۷) قریب شام

(۱۱۱)

مدت سے غارِ کوہ میں تھا (۱) (ایسے جا) گزیں
مشغول تھا عبادت حق میں وہ مرد دیں
ہر وقت تھی جو یاد خداوند عالمیں
سجدے سے کوئی آن اٹھاتا نہ تھا جبیں
قدسی تھے محو اس کی عبادت کے ڈھنگ پر
لوح جبیں کے نقش اٹھ آئے تھے سنگ پر

(۱۱۲)

کندہ تھا سنگ سنگ پہ سجدوں کا اس کے حال
تھے شاہد قیام سب اس دشت کے جبال
لاغر تھا جسم رشتۂ تسبیح کے مثال
کامل جہاد نفس میں تھا پر وہ باکمال
لغزش رہ رضا میں نہ تھی کوئی دم اسے
حاصل تھا مثل کوہ، ثبات قدم اسے

(۱۱۳)

تقوا شعار و عارف و درویش باکمال
پرہیزگار و متقی و صادق المقال
عقبیٰ رسیدہ، تارک دنیا، نکو خصال
عبد مطیع و بندۂ مخصوص ذوالجلال
اوصاف نیک جمع تھے اس حق شناس میں
گویا کہ اک ملک تھا بشر کے لباس میں

(۱۱۴)

اس نے سنی جو یہ خبر میمنت اثر
اترا ہے آج یاں خلف سید البشرؐ
(۲) مسرور و شاد حد سے ہوا وہ زیادہ تر
سر کو قدم کئے ہوئے دوڑا وہ خوش سیر
پَر شوق نے لگا دیئے ٹھہرا نہ راہ میں
حاضر ہوا حضور شہہ دیں پناہ میں

(۱۱۵)

پہلے تو مجرا گاہ سے آداب کو جھکا
آئین خسروی سے بدستور پھر بڑھا
جب مدحت و ثنا و دعا لا چکا بجا (۳)
کھولا لبوں کو یوں (۴) پئے تمہید مدعا
حاصل ہوئی بس آج مراد دلی مجھے
تھا جس کی آرزو میں وہ دولت ملی مجھے

(۱۱۶)

مصروف جان و دل سے رہا کرتا تھا غلام
مدح و ثنا میں آپ کے اجداد کی مدام
تسبیح کیا تھی ذکر امام فلک مقام
مولا کا نام میرا وظیفہ تھا صبح و شام
تھی آرزوئے وصل دل بے قرار میں
آنکھیں سفید ہوگئی تھیں انتظار میں

(۱۱۷)

تھا مدتوں سے شوقِ قدم بوسیٔ جناب
رہتا تھا رات دن غم دوری سے اضطراب
خدمت سے بہرہ یاب نہ ہونے کا تھا حجاب
تھی پا شکستگی پہ سدا چشم آب آب
ہر دم گل ریاض نبیؐ کا خیال تھا
بلبل کی جو قفس میں ہو صورت، وہ حال تھا

(۱۱۸)

تھا انتظار مخدم (۵) سلطان بحر و بر
ہر شب اسی خیال میں ہوجاتی تھی سحر (۶)
کہتا تھا روز میں یہ سر راہ آن کر
اب تک کیا نہ (۷) جذبۂ دل نے مرے اثر
اس وقت تک یہ طالعِ پست، اوج پر نہ آئے
عرصہ ہوا مگر مرے مولا ادھر نہ آئے

(۱) میمنت گزیں (۲) مسرور و شادماں ہوا حد سے زیادہ تر (۳) کا صلہ پا چکا بجا (۴) پھر

(۵) مقدم (۶) بسر (۷) جذب دلی

(۱۱۹)

اک عمر اشتیاق میں جب یوں ہوئی بسر
تب نخل آرزو کو خدا نے دیا ثمر
آئے ہزار شکر، امامِؑ ملک سیر
اب عرض یہ قبول ہو یا شاہِؑ بحر و بر
ہوں مفتخر ورود مسرت لزوم سے
روشن فقیر خانہ ہو فیض قدوم سے

(۱۲۰)

بندے کو گو نہیں ہے لیاقت خدا گواہ
کیا ہو گدا سے دعوت سلطان دیں پناہ
پر ہے حضور کے کرم عام پر نگاہ
جویائے افتخار ہے یہ عبد خیرخواہ
مقبول بادشاہ جو عرض فقیر ہو
یہ مور ناتواں بھی سلیماں سریر ہو

(۱۲۱)

اللہ ری مروت نوباوۂ رسولؐ
اس مرد حق پرست کی خاطر نہ کی ملول
عابد کا التماس ضیافت ہوا قبول
سوئے جبل روانہ ہوا دلبر بتولؑ
راہی رکاب شاہ میں چھوٹے بڑے ہوئے
جتنے رفیق خاص تھے سب اٹھ کھڑے ہوئے

(۱۲۲)

خوش خوش چلا جلو میں وہ مرد خجستہ کار
عابد امام عصر کو لایا قریب غار
حجرہ وہ[1] تنگ تھا کہ ہو غنچہ بھی شرمسار
مرغوب اختصار یہ[2] مثل دہان یار
شیطاں کے واہمہ کا بھی اس جا گذر نہ تھا
آ جائیں پانچ شخص بھی ایسا وہ گھر نہ تھا

(۱۲۳)

لکھا ہے ساتھ آپ کے تھے تین سو نفر
عابد تھا اس لحاظ سے حیراں[3] جھکائے سر
پہنچے جو در پہ غار کے سلطانؑ بحر و بر
لائے خدا کا نام مبارک زبان پر
امر محال امامؑ کے تھا اختیار میں
داخل ہوئے مع رفقا آپ غار میں

(۱۲۴)

بیٹھا جو اس جگہ بہ فراغت ہر اک بشر
عابد گرا حضور کے قدموں پہ دوڑ کر
سمجھا کہ ہے یہ معجزۂ شاہؑ بحر و بر
چومے ادب سے پائے امام نکو سیر
تھا دل میں شاد شاد زباں پر درود تھا
بشرے سے پر ترددِ دعوت نمود تھا

(۱۲۵)

پایا اسے جو فکر میں حضرت نے مبتلا
خود مسکرا کے آپ نے عابد سے یہ کہا
احضارِ ماحضر میں تردد ہے تجھ کو کیا
تشویش کس لئے ہے جو موجود ہے[4] وہ لا
دنیا کے ذائقوں سے یہ لب آشنا نہیں
ہم بے تکلفوں سے تکلف روا نہیں

(۱۲۶)

یہ سن کے ایک سمت کو عابد ہوا رواں
ہاتھوں میں کچھ لئے ہوئے آیا وہ میزباں
مقدار ما حضر کا مفصل ہو کیا بیاں
تھا ایک کوزۂ عسل اور تین قرص ناں
شرما کے سر جھکا لیا آقا کے سامنے
رکھا طعام سید والا کے سامنے

(۱)یہ(۲)پہ (۳)اپنا(۴)ہو

(۱۲۷)

کھانے پہ شہؑ نے ڈال دیا گوشۂ ردا
سمجھا نہ کوئی آپ نے کچھ زیر لب کہا
درویش کو قریب پھر اپنے بٹھا لیا
تقسیم کا طعام کی عہدہ اسے دیا
محتاج کو غنی کیا کل کے امیر نے
پہنچا دیا ہر ایک کو کھانا فقیر نے

(۱۲۸)

عابد کو دیتے جاتے تھے خود سرورؑ انام
اُٹھ اُٹھ کے سب کے سامنے رکھتا تھا وہ طعام
کھا کھا کے سیر ہوتے تھے کھانے سے خاص و عام
لیکن وہ تینوں روٹیاں ہوتی نہ تھیں تمام
دعوت کی بزم گرم تھی کچھ برہمی نہ تھی
درویش کے طعام میں جَو بھر کمی نہ تھی

(۱۲۹)

جب سیر ہوگئے رفقائے امامؑ سب
ہر ایک ہاتھ دھو کے بجا لایا شکر رب
درویش کو بھی حد سے زیادہ ہوا طرب
چومے قدم امامؑ امم کے بصد ادب
بھیجا درود آل رسولؐ کرام پر
لعنت کی دشمنان امام انام پر

(۱۳۰)

عابد سے پھر بہ لطف، مرخص ہوئے امام
آئے اسی جگہ پہ ہوا تھا جہاں قیام[1]
باقی وہ روز اور ہوئی شب بھی جب تمام
ساماں ہوا سفر کا، اکھڑنے لگے خیام
احباب ساتھ چلنے پہ موجود ہوگئے
پھر رہگزائے منزل مقصود ہوگئے

(۱۳۱)

طے کرتے منزلوں کو چلے جب امام دیں
جنگل کسی جگہ پہ تو بستی ملی کہیں
تھی خیمہ گاہ شہ کبھی بغداد کی زمیں
گہہ قم کے پاس تھی کبھی کاشان کے قریں
جاری ہر اک مقام پہ فیض حضور تھا
مولا کے معجزات کا ہر جا ظہور تھا

(۱۳۲)

خدمت گزاریوں پہ مصر تھے جو خاص و عام
ہر شہر ہر دیار میں ہونے لگے مقام
تعجیل پر تھی پر نظر سرور انام
ٹھہرے نہ تین دن سے زیادہ کہیں امام
جس سرزمیں کا عزم تھا حد اس کی پا گئے
آخر قریب منزل مقصود آ گئے

مطلع

(۱۳۳)

جب طوس میں ورود امام رضاؑ ہوا
ذکر نزول رحمت حق جا بجا ہوا
ہر گھر میں اک اساس مسرت بپا ہوا
سب شہر انبساط سے عشرت فزا ہوا
فیض قدوم شہ سے نیا طور ہو گیا
آتے ہی شہر طوس کا رنگ اور ہو گیا

(۱۳۴)

پھیلی ورود میمنت آلود کی خبر
چرچا ہوا کہ آئے امام ملک سیر
نکلے گھروں سے شوق زیارت میں سب بشر
آمد سے باخبر ہوا مامون بدگہر
سرگرم باطناً تھا نفاق امام میں
مصروف ظاہراً ہوا وہ اہتمام میں

(۱)مقام

(۱۳۵)

پہنچا عمائد و امرا کو یہ حکم عام
سب جائیں پیشوائی کو ہے آمد امام
واجب ہے خاندان رسالت کا احترام
منظور ہے تواضع و خاطر میں اہتمام
اس امر میں مزید توجہ دکھائیں گے
لینے کو شہ کے ہم در دولت تک آئیں گے

(۱۳۶)

سب شہر کے رئیس روانہ ہوئے اُدھر
مصروف اہتمام ہوا یاں وہ بد سیر
بہر نثار لخت دل سید البشر
مملو کئے گہر سے طبق ہائے سیم و زر
خلعت سے مال و زر سے گرانبار ہوگئیں
یاں پیش کش کی کشتیاں تیار ہوگئیں

(۱۳۷)

ایوان خسروی میں ہوئی جشن کی بنا
دیبا و پرنیاں کا بچھا فرش جا بجا
گلدستوں میں لگائے جواہر گراں بہا
شداد کا بہشت بنی وہ محل سرا
گوشوں پہ اس کے لعل بدخشاں جڑا گیا
بہر جلوس تخت مرصع دھرا[۱] گیا

(۱۳۸)

پہنچی قریب آپ کے آنے کی جب خبر
شہزادے پیشوائی کو نکلے بکر و فر
حاضر ہوئے حضور شہنشاہ بحر و بر
تھامے ہوئے رکاب کو سب آئے تا بہ در
کیا جاہ و احتشام شہ دیں پناہ تھا
یاں منتظر ورود کا خود بادشاہ تھا

(۱۳۹)

کس عظمت وجلال سے داخل ہوئے جناب
اللہ رے مراتب و رعب و وقار[۲] و داب
حاکم ہوا جو فیض زیارت سے بہرہ یاب
خود غاشیہ بدوش چلا ہمرہ رکاب
آنکھوں پہ لے کے آئے سب اس حق کے نور کو
تخت مرصعی پہ بٹھایا حضور کو

(۱۴۰)

راحت سے شہر طوس میں کچھ دن ہوئے بسر
دنیا کی زینتوں[۳] پہ نہ تھی آپ کی نظر
خوف خدا میں روتے تھے سلطان بحر و بر
ان کے سوا کسی کو نہ تھا کچھ خدا کا ڈر
ظاہر میں جتنے لوگ تھے کم تھے غلام سے
باطن میں تھی ہر اک کو عداوت امام سے

(۱۴۱)

ظاہر ہوا کتابوں سے انجام کا بھی حال
آئے نہ آفتاب امامت پہ کیوں زوال
کہنے سے سب کے دل میں شقی کے ہوا خیال
میں شاد ہوں جو روح پیمبرؐ کو[۴] ہو ملال
رونے کی پھر بلند صدا جا بجا ہوئی
ٹھہرے وہ مشورے کہ قیامت بپا ہوئی

(۱۴۲)

حضرت کو پھر بلا کے یہ اس نے کیا کلام
انگور اک مقام سے آئے ہیں یا امام
کچھ نوش کیجئے کہ نہیں دیر کا مقام
فرمایا خوب صبر و رضا سے ہے مجھ کو کام
دشمن جو آپ کے تھے انہیں بھی قلق ہوئے
انگور آئے جب تو جگر سب کے شق ہوئے

(۱) رکھا (۲) جلال (۳) دولتوں (۴) پہ

(۱۴۳)

کچھ نوش کرکے کہنے لگا دلبر رسولؐ
اس کو اٹھا لے کوئی کہ مطلب ہوا حصول
اس کے اثر سے طبع مقدس ہوئی ملول
سمجھے کہ بیٹھنا بھی یہاں کا ہے اب فضول
ہم کروٹوں میں عمر کو کاٹیں تو خوب ہے
اب آفتاب کوئی گھڑی میں غروب ہے

(۱۴۴)

ظاہر ہوئے تھے سم کے رخ پاک پر اثر
جلدی سے گھر میں آئے شہنشاہ بحر و بر
اس کا بیان ہے یہ[۱] جو راوی ہے معتبر
پھر پھر کے ڈھونڈھتی تھی[۲] کسی شخص کو نظر[۳]
ٹکڑے دلوں کے کردیئے اس اہتمام نے
حجرے کا در بھی بند کیا خود امام نے

(۱۴۵)

آیا جو وقت اور تو دیکھا یہ ماجرا
دیوار و در سے آتی ہے فریاد کی صدا
لپٹا ہوا ہے سینہ سے اک طفل مہ لقا
تعلیم کررہے ہیں اسے علم مصطفاؐ
در بند اسی طرح سے رہا اس مقام کا
اک یہ بھی معجزہ تھا امام انام کا

(۱۴۶)

حیرت ہوئی کہ[۴] کون ہے؟ یہ ماجرا ہے کیا[۵]
آیا یہ کس طرف سے کہ در تک نہیں کھلا
کانوں میں اس کے آگئی اک بار یہ صدا
پہنچے گا ہر جگہ پہ جو ہے نور کبریا
ہر ایک پہ عیاں ہے کہ وہ جا بجا گئے
کس طرح آسماں پہ رسولؐ خدا گئے

(۱۴۷)

حضرت کا حال غیر ہے، ہے جائے درد وغم
جب زہر کھا چکے ہیں تو اب زندگی ہے سم
کہتے ہیں سب ملک بھی[۶] یہ کھا کھا کے اب قسم
حضرت سے مرتبہ میں ذرا یہ نہیں ہے کم
منظور ان کو غسل کا اب اہتمام ہے
یہ ہیں نویں امام تقیؑ ان کا نام ہے

(۱۴۸)

جب کر چکے وصیتیں سلطان نامدار
فرمایا یہ پسر سے کرو شکر کردگار
مرضی ہو جو خدا کی نہیں اس میں اختیار
آخر میں یہ کہا کہ یہ ہے وقت احتضار
حالت ہے مجھ کو یاد شہ مشرقینؑ کی
روؤ تو یاد کرکے مصیبت حسینؑ کی

(۱۴۹)

یہ کہہ رہے تھے بس کہ ہوا شہ کا انتقال
کس کو ہو اِن کا رنج اسی کا تو ہے ملال[۷]
افسوس خاندان نبوت پہ ہے زوال
ہیں عورتیں کہاں کہ جو کھولیں سروں کے بال
دم بھر کو جو ملا تھا وہ آخر جدا ہوا
تھا لاش پر پسر کا گریباں کھلا[۸] ہوا

(۱۵۰)

دشمن جو تھے نہ لاش کے تھے وہ قریب بھی
دانتوں میں انگلیاں تھے دبائے طبیب بھی
غسل وکفن انہیں تو ہوا[۹] تھا نصیب بھی
آئے تھے کربلا سے امام غریب بھی
دل پر تھے سارے داغ فلک کے دیئے ہوئے
خود تھے رسولؐ چاک گریباں کئے ہوئے

(۱) یہ ہے (۲) ڈھونڈھتے تھے (۳) مگر (۴) یہ (۵) یہ کیا ہے ماجرا (۶) فلک پہ

(۷) خیال (۸) پھٹا (۹) نہ ہوا

(۱۵۱)

پوشیدہ ہر طرح سے رہے دشمنوں سے راز
ایسی شہادتیں بھی ہیں مقبول بے نیاز
جب غسل دے چکے تو پڑھی آپ نے نماز
ہم بھی ہوئے شریک ملائک کو تھا یہ ناز
(پردہ دری) راز کا تھا اہتمام بھی[1]
لاش پدر سے ہو گئے رخصت امامؑ بھی

(۱۵۲)

واقف ہوا جو حال سے مامون بد شیم
سب کے سنانے کو یہ کہا کیا ہوا ستم
جلدی ابھی نہ دفن میں ہو خود چلیں گے ہم
یہ حشر بھی قیامت کبرا سے تھا نہ کم
اشفاق و خلق شاہ کو سب یاد کرتے تھے
تھا جن کے دل میں درد وہ فریاد کرتے تھے

(۱۵۳)

مامون بدشیم کا گریبان تھا کھلا
اٹھی جو لاش ہوگیا خود بھی برہنہ پا
آئے وہاں جہاں پہ مقدر میں تھا لکھا
حضرت ہوئے جو دفن تو محشر ہوا بپا
حضرت گئے جو طوس کی بستی اجاڑ کے
دشمن بھی رو رہے تھے گریبان پھاڑ کے

(۱۵۴)

صدقے مزار شاہؑ پہ ہوتے تھے جاں نثار
رونے کا شور اٹھتا تھا رہ رہ کے بار بار
حاکم نے بھی کیا تھا گریباں تار تار
کہتا تھا اِس زمین کو زیبا ہے افتخار
گردوں پہ ہر ملک کو زیارت کا شوق ہے
یاں کی زمیں کو عرش بریں پر بھی فوق ہے

(۱۵۵)

حضرت کا تھا وطن میں بھی ہر اک کو اشتیاق
دل کو ستا رہا تھا بہت صدمہ فراق
پہلے پہل سفر کا ہوا تھا جو اتفاق
تھی آپ کی بہن پہ جدائی یہ حد کی شاق
دن کی طرح سے نیند نہ راتوں کو آتی تھی
آواز دل دھڑکنے کی تا دور جاتی تھی

(۱۵۶)

حضرت کو اس سفر میں ہوا تھا بہت جو طول
ہر وقت شہؑ کی یاد میں تھیں فاطمہؑ ملول
کہتی تھیں بار بار کہ ہے زندگی فضول
افسوس مجھ سے دور ہوا دلبر رسولؐ
بستر سے گر اُٹھیں تو اُٹھیں کانپ کانپ کے
راتوں کو آپ روتی تھیں منہ ڈھانپ ڈھانپ کے

(۱۵۷)

آخر کو آپ سوئے خراساں ہوئیں رواں
ملنے کے اشتیاق میں آئی لبوں پہ جاں
گر کچھ کسی مقام پہ تھمتا تھا کارواں
کہتی تھیں وقت مفت میں ہوتا ہے رائیگاں
ہر اک کے ان کے حال پہ آنسو نکلتے[2] تھے
جتنے تھے ساتھ آپ کے کہنے پہ چلتے تھے

(۱۵۸)

پہنچیں جو آپ منزل ساوہ کے متصل
خود ہو گئیں علیل پریشاں رہا جو دل
سچ ہے کہ صدمۂ تپ دوری ہے جانگسل
صدموں سے ہو چکی تھی طبیعت بھی مضمحل
فرمایا وہ الم ہے کہ دل درد مند ہے
جانا کہیں کا قُم کے سوا ناپسند ہے

(۱) اثنائے راہ کا تھا زبس (۲) ٹپکتے

(۱۵۹)

کہنے پہ سب چلے پہ قیامت تھی آشکار
خاطر ہو خاک جمع[1] کہ تھا دل کو انتشار
اٹھتا تھا اہتمام سواری کو خود غبار
دیتے تھے خیر خواہ یہ آواز بار بار
بہر سلام دیکھ لو خم آسمان ہے
ساری یہ سیدہ کی سواری کی شان ہے

(۱۶۰)

پہنچیں میان شہر جو طے ہو چکی وہ راہ
پایا ہر اک کو شہر میں با حالت تباہ
دیکھا کہ ہے لباس زن و مرد کا سیاہ
سمجھیں کہ مر گیا ہے کوئی یاں کا بادشاہ
فرط ملال و غم سے نہ کیوں حال غیر ہو
کہتی تھیں اے خدا مرے بھائی کی خیر ہو

(۱۶۱)

ان کے ورود کی ہوئی مشہور جب خبر
جو شہر کا رئیس تھا دوڑا برہنہ سر
تھی کون سی وہ چشم جو اشکوں سے تھی نہ تر
کیا جانئے تھا[2] کون سا اس رنج میں اثر
جو دل تھا غم میں شاہ کے وہ داغدار تھا
سب کا غم و الم سے کلیجہ فگار تھا

(۱۶۲)

رونے میں ڈر یہ تھا کہ نہ ہوجائیں سب ہلاک
ناقے کی گرد جو تھے گریباں تھے ان کے چاک
ملتے تھے اپنے منہ پہ قدم کی اٹھا کے خاک
سمجھے تھے سب کہ ہوں گے گناہوں سے یوں تو پاک
دوزخ سے دور ہیں جو قدم سے قریب ہیں
یہ خواہر امام رضاؑ غریب ہیں

(۱۶۳)

دل کی دھڑک نے آپ سے گو[3] کہہ دیا تھا حال
ہر ہر قدم پہ اور بھی بڑھتا گیا ملال
کیوں حال شہر یہ ہے؟ خود آ کر کیا سوال
کس نے کیا ہے ہائے زمانے سے انتقال
اس وقت لوگ رونے لگے سب پکار کے
پھینکے سروں سے سب نے عمامے اتار کے

(۱۶۴)

روتے تھے عورتوں کی طرح سے عدوے دیں
جب عورتیں بھی پیٹ کے سر آ گئیں قریں
فرمایا ضبط کی بھی مجھے تاب اب نہیں
للہ جو کہ حال ہو وہ کہہ چکو کہیں
ہر اک طرف کو شہر میں کیوں غل بُکا کا ہے
سب نے کہا کہ ہائے یہ ماتم رضاؑ کا ہے

(۱۶۵)

افسوس ہے کہ ظالموں میں ہو رہی ہے[4] عید
سر پیٹتے ہیں ہاتھوں سے جو لوگ ہیں سعید
حاکم کو کیوں نہ لوگ کہیں ثانئ یزید
کچھ دن ہوئے کہ آپ کے بھائی ہوئے شہید
وہ مر گئے اجاڑ ہر اک شہر ہو گیا
حضرت نے انتقال کیا قہر ہو گیا

(۱۶۶)

جب سن لیا ہر ایک سے بھائی کا اپنے نام
غش آ گیا کہ لائی قضا موت کا پیام
بے ہوش دیر تک رہیں وہ خواہر امام
اک شور تھا کہ آپ بھی کیا ہو گئیں تمام
صدمے سے ہاتھ پاؤں بھی بیکار ہو گئے
سب اپنی جان دینے پہ[5] تیار ہو گئے

(۱) جمع خاک (۲) کیا جانے تھا یہ (۳) یوں (۴) ہو رہی ہے ظالموں میں (۵) کو

(۱۶۷)

القصہ اور[1] غیر ہوا سیدہؑ کا حال
بے جان کے لئے نہ گیا صدمہ و ملال
سچ ہے کہ اس سفر کا کچھ اچھا نہ تھا مآل
دن سترہ کٹے تو کیا خود بھی انتقال
بیتاب روز و شب تھیں یہ شہؑ کی جدائی سے
اب اس طرح سے مل گئیں پھر اپنے بھائی سے

(۱۶۸)

قم میں مزار پاک بنایا بہ اہتمام
جاتے ہیں آج تک تو زیارت کو خاص و عام
وہ خاک اڑا رہے ہیں کہ جو خاص تھے غلام
کہتی تھیں عورتیں بھی یہ لے کر انہیں کا نام
موت آئی جس سے دل پہ اٹھائے وہ جبر بھی
دیکھی نہ ہائے آنکھ سے بھائی کی قبر بھی

(۱۶۹)

پر یاں پہ یاد آ گیا زینبؑ کا حال زار
ایسی مصیبتوں میں کیا شکر کردگار
سو جان سے تھیں اپنے برادر پہ گو نثار
لیکن گلے پہ بھائی کے دیکھی چھری کی دھار
بھائی کے قتل ہونے کی اعدا نے عید کی
رکھی گئی لبوں پہ چھڑی بھی یزید کی

(۱۷۰)

امیدؔ! حق سے مانگ دعا، ختم کر یہ حال
دل سب کے فرط رنج و الم سے ہیں پائمال
پھر[2] ہاتھ اٹھا کے اپنے یہ خالق سے کر سوال
روضے پہ اب بلا لے تجھے فاطمہؑ کا لال
دونوں جہاں میں خوب بڑھے آبرو مری
اس کے سوا نہیں ہے کوئی آرزو مری

(۱) سن کر یہ حال (۲) پر

بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔مذہب شیعہ ایک نظر میں

یہ سب پابندیاں رسولؐ وآل رسولؐ کے احکام کی بناء پر ثابت ہیں جن پر عمل کرنا شیعوں کے یہاں ضروری ہے۔

جہاد

یعنی نصرتِ دین میں تلوار یا دوسرے خوں ریز اسلحہ کے ذریعہ سے مقابلہ کرنا۔ اس میں پیش قدمی کرنا شیعی فقہ کی رو سے بغیر معصومؑ کی سربراہی یا اجازت خاص کے نہیں ہوسکتی اس لئے کہ جان دینا شہادت اسی وقت قرار پاسکتا ہے جب فی سبیل اللہ ہو اور فی سبیل اللہ یعنی رضائے الٰہی کے صحیح معیار کی شناخت یقینی طور پر معصومؑ ہی کی نگاہ کرسکتی ہے۔ ہاں جب کوئی حملہ آور ہو تو دفاعی طور پر جنگ کرنا بہرصورت درست ہے۔

والسلام۔۔۔۔۔۔۔۔علی نقی عفی عنہ، ۳؍جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ علی گڑھ

بقیہ۔۔۔۔اسلام اور حقوقِ بشر

عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے، جس کے لئے ارشاد رسولؐ ہے کہ اگر نماز قبول ہے تو سارے اعمال قبول ہیں، مگر دوسری طرف حکم شریعت ہے کہ اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہے اور نماز پڑھنے میں نظر پڑ گئی کہ کوئی نابینا گڑھے میں گرنے جارہا ہے تو نماز توڑنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی آواز سن لے کہ میں ڈوب رہا ہوں مجھے بچالو تو یہ ڈوبنے والا چاہے سخت ترین کافر ہی کیوں نہ ہو، نماز کا توڑنا واجب ہوجائے گا۔ اب نماز پڑھنا ناجائز ہے اور اس کافر کو بچانا واجب ہے۔ دوسرے لفظوں میں اب نماز عبادت نہیں، اب اس کافر کو بچانا عبادت بن جائے گا۔ یہ ہے اسلام اور یہ ہے اسلام کا آئین رحمت۔

(بشکریہ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' (اردو) ۸؍اپریل ۲۰۱۱ء) (جاری)